فرہاد احمد

اسکالر پی ایچ ڈی، اردو، نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگو ئجز، اسلام آباد

ڈاکٹر گوہر نوشاہی

استاد شعبہ اردو انٹر نیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد

احمد شاملو: تعارفی مطالعہ

Farhad Ahmad
Ph.D scholar urdu, National university of Modern Language Islamabad
Dr Gohar Noshahi
Department of urdu, International Islamic University Islamabad

Ahmed Shamlo: introductory study

Persian literature is very rich literature of the world. Persian poets introduced a special identification in the world. Ahmed Shamlo one of the v renowned poet in persia. He bears a significant position in modern Persian poets. He is especially known due to his restive writing style in Persian poetry . This is an initial and interdictory essay pertaining to Ahmed Shamlo.

فارسی دنیا کی ترقی یافتہ اور اہم زبان کے طور پر جانی جاتی ہے۔ اس زبان کا تعلق آریائی قبیلے سے ہے۔ آج جو فارسی زبان رائج ہے یہ قریب تیسری صدی ہجری میں اختیار کردہ صورت ہے۔ جدید تحقیقات کے مطابق ایران میں مقیم دو آریائی قبائل کا تذکرہ پہلی دفعہ آشوری بادشاہ شمل نصر کے ایک کتبے ۸۴۶ قبل مسیح کے لگ بھگ ملتا ہے۔ یہ دو قبیلے ماد اور پارس تھے۔ ماد پہلا خاندان ہے جس نے ۷۰۰ قبل از مسیح میں ایران کے اندر ایک آریائی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ ایران کی قدیم ترین زبان اوستائی کہلاتی ہے۔ اس زبان کا خط دنیا کا مکمل ترین خط تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہی وہ خط ہے جس میں زرتشت عہد کی مذہبی کتاب "اوستا" لکھی گئی۔ سکندر اعظم کے حملے کے بعد یہ کتاب جو قریب چار سو بیلوں کی کھالوں پر رقم تھی ضائع ہو گئی۔ بعد ازاں اشکانی عہد ۱۹۱ء۔۱۶۸ء میں اس کتاب کی جمع و تدوین کا کام شروع ہوا جو ساسانی عہد میں جا کر مکمل ہوتا ہے۔ ساسانیوں نے ایران پر قریب ۴۲۶ سال تک حکومت کی۔ اس عہد میں ایران کی عظمتِ رفتہ پھر سے نظر آنے لگی اور مذہب زرتشتی کا پرچار ہونے لگا۔ اس عہد میں "پہلوی زبان" کی ترقی برقرار رہی اس میں کچھ تبدیلیاں بھی رونما ہوئیں۔ موجودہ فارسی

زبان کا ارتقا اسی زبان سے ہوتا ہے۔ فارسی میں جتنی بھی ترقی ہوئی اس میں پہلوی زبان کی اہمیت سے کسی طور انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ڈاکٹر محمد ریاض کے مطابق:

"فارسی اور پہلوی ایک دوسرے سے اتنی تشابہ ہیں کہ اگر فارسی عربی کے انخطاط نکال دیے جائیں تو وہ دہلوی زبان کے بہت قریب پہنچ جاتی ہے۔"(۱)

پہلوی زبان دائیں سے بائیں جانب لکھی جانے والی ایک مشکل رسم الخط کی حامل زبان ہے۔ جب عربوں کی آمد ہوئی تو ان کی آمد کے بعد فارسی کے لیے پہلوی رسم الخط رفتہ رفتہ متروک ہو گیا۔ ایران میں اسلام کا پرچم بلند ہونے لگا اور پہلوی خط سے ان کی وابستگی ختم ہوتی گئی۔ ایرانیوں نے عربی رسم الخط سے وابستگی اختیار کر لی اور آج فارسی، عربی رسم الخط میں لکھی جا رہی ہے۔

کسی زبان میں ادب کا آغاز اس وقت ہوتا ہے جب وہ زبان ثروت مند ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں کوئی بھی اپنے ادب کے تناظر میں جانچ کر اس کی ثروت مندی کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ فارسی زبان بھی گوناگوں صلاحیتوں کے باعث ادب کے حوالے سے ثروت مند تسلیم کی جاتی ہے۔ جب ایران عملاً عربوں کے قبضے میں آگیا تو عباسی عہد میں ایران والوں کو بڑی اہمیت حاصل ہوئی۔ ایران میں اسلام کی اشاعت اور عربوں کی حکومت کے بعد عربی زبان کو بھی اہمیت حاصل ہوئی۔ جیسا کے اوپر بیان کیا گیا ہے کہ پہلوی کی پیچیدگی کی جگہ عربی کے آسان رسم الخط نے لے لی۔ یہی وہ عہد تھا جس میں ایران کے مشرقی علاقوں خراسان اور ماوراالنہر کی زبان نے ادبی زبان کا درجہ حاصل کیا۔ یہی ادبی زبان پارسی یا پارسی دری کہلائی جانے لگی۔ پہلوی میں "در" سے مراد بارگاہ یا دربار شاہی ہے۔ اسی لحاظ سے دری سے مراد وہ زبان جس کا تعلق بارگاہِ شاہی یا دربار شاہی سے ہے۔ دری چوں کہ ایک وقت تک شاہی زبان کے طور پر رائج رہی اس لیے اسے فارسی دری کہا جانے لگا۔ تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں ایران کے انھی مشرقی علاقوں میں خود مختار ایرانی ریاستیں قائم ہوئیں اور انھی ریاستوں کی سرپرستی میں فارسی شعر و ادب کی ابتدا ہوئی۔ دنیا کی بیشتر زبانوں کی طرح فارسی ادب کا آغاز بھی شاعری سے ہوتا ہے بعد ازاں نثری ادب بھی تخلیق ہوا۔

فارسی ادب کے اولین شعرا میں محمد بن وصیف اور خنظلہ دو اہم نام ہیں۔ یوں تیسری صدی ہجری کا نصف اول فارسی شاعری کا نقطہ ءآغاز مانا جاتا ہے۔ جب کہ بعد میں طاہری وصاری ادوار کو فارسی شاعری کا دورِ اول قرار دیا جاتا ہے۔ چوں کہ ہمارا موضوع جدید فارسی شاعری سے متعلق ہے اس لیے ہم جدید فارسی شاعری اور بعد ازاں احمد شاملو پر بات کریں گے۔ جدید فارسی شاعری کی تحریک ۱۹۳۵ء کے لگ بھگ شروع ہوئی۔ جب جدید فارسی

شاعری کے بانی نیما یوشیج نے اپنی پہلی آزاد نظم ایک ادبی رسالے "موسیقی" میں شائع کی۔ یاد رہے اس وقت "موسیقی" کی ادارت بھی نیما یوشیج کے پاس تھی۔ یہ بات یہاں قابلِ ذکر ہوگی کہ فارسی کی جدید شاعری بھی جدید اردو شاعری کی طرح مغربی شاعری سے متاثر ہوئی یہ اثرات فقط انگریزی یا فرانسیسی شاعری کے تھے۔ ان اثرات میں وہ سیاسی، سماجی اور اقتصادی حالات بھی کار فرما تھے۔ جو اس وقت موجود تھے۔ جیسا کہ ن۔ م راشد رقم طراز ہیں:

"میرے خیال میں محض انگریزی یا فرانسیسی شاعری کا اثر نہ تھا۔ بل کہ اس سے کہیں زیادہ ان سیاسی، اقتصادی اور اجتماعی حالات کا نتیجہ تھا جو اس وقت رونما ہو رہے تھے "(۲)

جدید فارسی شاعری کے حوالے سے اس مختصر تمہید کے بعد ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔ ہمارا موضوع جدید فارسی شاعری کا ایک اہم نام احمد شاملو ہے۔ احمد شاملو جدید فارسی شعرا میں نہایت معتبر نام ہے۔ احمد شاملو نے "بامداد" نام کے قلمی نام سے بھی شہرت سمیٹی۔ شاملو کی ولادت ۱۲ دسمبر ۱۹۲۵ء کو ایران کے دار لحکومت تہران میں ہوئی۔ شاملو کے والد افغانستان کے شہر کابل سے تھے۔ بعد ازاں ہجرت کر کے تہران میں مقیم ہوئے۔ احمد شاملو کے والد اس وقت فوجی افسر تھے۔ اسی وجہ سے ان کو مختلف جگہ تبادلہ ہو کر جانا پڑتا جس کی وجہ سے احمد شاملو کی تعلیم بھی خاطر خواہ متاثر ہوئی جیسا کہ ن۔ م راشد رقم طراز ہیں:

"والد فوجی افسر تھے۔ ان کے پے در پے تبدیلیوں کی وجہ سے تعلیم بے قاعدہ رہی اور بمشکل دسویں جماعت پاس کر سکے۔ "(۳)

احمد شاملو نے گو کہ رسمی تعلیم زیادہ حاصل نہیں کی تاہم اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیے جن کی بدولت وہ اپنے وقت میں متحرک سیاسی کارکن، صحافی اور قاموس دان کہلائے۔ بعد ازاں سیاسی وجوہات کی بنا پر قریباً تین مرتبہ جیل بھی گئے۔ لیکن جیل کی زندگی نے بھی کئی دیگر بڑے شعرا کی طرح آپ کی شاعری پر بجائے منفی اثرات مرتب کرنے کے مثبت اثر ڈالا۔ شاملو کی سیاست سے بڑی حد تک دل چسپی تھی۔ اس دل چسپی ہی کی بدولت آپ نے صحافت کی دنیا میں بھی اپنا نام بنایا۔ شاملو نے ایران سے شائع ہونے والے کئی ہفت روزہ اخبارات کے ساتھ ساتھ کچھ ماہ نامہ رسائل کی ادارت بھی خوش اسلوبی سے کی۔ احمد شاملو نے تدریس کے شعبے کو بھی اپنایا اور کچھ عرصے تک بہ حیثیت پروفیسر بھی خدمات سرانجام دیں۔ علاوہ ازیں شاملو کی خدمات بہ طور مترجم بھی یاد رکھی جائیں گی۔ ایران کی دیہی زندگی اور اس کے مسائل کے بارے میں ٹیلی ویژن کے لیے فلمیں بھی تیار کیں۔ احمد شاملو کی تحریر میں حافظ شیرازی، عمر خیام، نیما یوشیج، رلکے، مایاوسکی،

آرگن، روگسن ہوز اور لورکا کے گہرے اثرات نظر آتے ہیں۔ شاملو نے زندگی کا کچھ عرصہ امریکی ریاست ہوجرسی میں بھی قیام کیا۔

احمد شاملو کے خاندان، ماں باپ، ماحول، بچپن، تعلیم و تربیت، نجی زندگی وغیرہ کے بارے میں مبصرین اور ناقدین خاموش ہیں۔ احمد شاملو نے خود اپنی زندگی کے بارے میں جو مختصراً لکھا ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ وہ ایک بجھی ہوئی طبیعت کے حامل انسان تھے۔ وہ اپنے گردو پیش کی کی تباہیوں بے جہتیوں اور بدحالیوں کو سمجھنے میں کوشاں، ایک چھوٹے سے شہر "کش" میں نہایت مشکل اور تنگ و تاریک رہائش گاہ، یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان کی پوری زندگی بڑی تنگی ترشی میں گزری، کبھی فراغت نصیب نہیں ہوئی۔ وہ ایک مفلس و نادار گھرانے سے چشم و چراغ تھے۔ بہت کم عمری میں ہی حصولِ روزگار کے لیے انھوں نے اخبارات میں لکھنا شروع کر دیا اور پوری زندگی یہی ان کا پیشہ رہا۔ شاملو کو اپنی ایمان داری، انصاف دوستی، فرض شناسی، سچائی اور خدمت خلق کی وجہ سے ہمیشہ آفتوں کا سامان کرنا پڑا۔ ابتدائی عمر سے موسیقی کے دیوانے اور رسیا تھے اگر انھیں "کن رسیا" کہا جائے تو بجا ہوگا۔ مگر غربت اور تنگ دستی نے ان کے اس شوق کو پروان نہ چڑھنے دیا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ وہ شاعر کی حیثیت سے سامنے آئے۔ جب ان کے لیے موسیقی سیکھنا ممکن نہ ہوا تو وہ شعر و ادب کی دنیا کی طرف راغب ہوئے۔ ان کے کلام کے مطالعے سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ان کو ابتدائی عمر سے ہی مطالعے کی بھی عادت تھی جو کچھ جہاں سے بھی ملتا پڑھ ڈالتے تھے۔ جیسا کہ ڈاکٹر رضیہ اکبر لکھتی ہیں:

"خود شاملو کے ذکر سے ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ مطالعے کا بھی اسے بچپن سے دیوانہ وار شوق تھا اور جو کچھ جہاں کہیں سے ہاتھ لگتا پڑھ ڈالتا تھا۔ اسی شوق میں اسکول کی بے مقصد پڑھائی بھی چھوڑی۔"(۴)

شاملو انصاف کی تلاش اور مظلوموں کی حمایت میں پہلی بار 1944ء میں گرفتار ہوئے جس پر والد نے بڑی منت سماجت اور تگ و دو کے بعد زنداں سے رہائی دلوائی۔ مگر ہمت و عزم اور پختہ ارادہ کے مالک شاملو کی سرشت میں جو بغاوت کا بیج پھوٹا تھا وہ پروان چڑھتا رہا۔ 1944ء میں اپنے جذبات و احساسات کے اظہاریے کے طور پر "منظوم نامہ" رقم کیا۔ دوسری بار 1953ء میں شاہی زنداں میں کچھ عرصہ تک قید رہے۔ صعوبتیں جھیلیں لیکن ہمت نہ ٹوٹی اور ان کی آزاد روح نہایت آزاد فضاؤں میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتی رہی۔ شاملو نے زندگی کے اسکول سے جو تجربات حاصل کیے۔ اپنی ان تھک محنت اور شوق سے جو علم حاصل کیا وہ کسی بھی اسکول یا کالج کی تعلیم سے کہیں بڑھ کر تھا۔ کئی دیگر زبانوں جیسے فرانسیسی، جرمن اور روسی میں بھی شاملو نے اپنے شوق اور محنت سے مہارت حاصل کی اور اپنے کلاسیکی ادب سے زیادہ انھوں نے ان زبانوں کے شعر و ادب

کا مطالعہ کیا تھا۔ بالخصوص شاملو نے فرانسیسی اور اسپینش کے شعرا کو بہت زیادہ پڑھا تھا۔ وہ خود بھی اعتراف کرتے ہیں کہ نیما کو پڑھنے سے قبل انھوں نے اپنی کلاسیکی شاعری کی طرف بہت کم توجہ دی تھی۔ احمد شاملو حسن و زیبائی کا شیدا تھے۔ ایک آزاد، پر سکون، پر ذوق زندگی گزارنا چاہتے تھے لیکن حالات نے اس کا موقع نہ دیا۔

احمد شاملو کی ازدواجی زندگی بھی بہترین تھی۔ تین کام یاب شادیاں کر رکھی تھیں۔ ایران کی کمیونسٹ پارٹی کے سرگرم رکن کی حیثیت سے ایک سال سے زائد عرصہ پابند سلاسل رہے۔ ذیابطیس کے مرض میں مبتلا ہونے کی وجہ سے خاصے مشکلات میں گھرے رہے۔ اسی وجہ سے ان کے دائیں پاؤں کا آپریشن بھی ہوا۔ شوگر جیسے موزی مرض کی وجہ سے ایرانی شاعری کا یہ نام ۲۳ جولائی ۲۰۰۰ء کو اتوار کے روز ابدی نیند سو گیا۔ بعد از مرگ ایران کے شہر خراج میں تدفین ہوئی۔ انھوں نے زندگی کو مار کر موت کو امر کر دیا۔

احمد شاملو کہنے کو تو ۲۰۰۰ء میں وفات پا گیا لیکن اپنے کام کے اندر وہ زندہ رہے گا۔ اس کی تصانیف کی تعداد ۱۲ بارہ ہے جو شائع ہو چکی ہیں۔ اس کے مشہور شعری مجموعوں میں "آھن پا احساس" "ھوائے تازہ، باغِ آئینہ، آہد ادر آئینہ، لحظ و ہمیشہ، آیدا، درخت، خنجر و خاطرہ، تفنوس در باداں، مرثیہ ہائے خاک، اور از ہوا و آئینہ شامل ہیں۔

ان مجموعوں کی مقبولیت کا اندازہ اس امر سے بہ خوبی لگایا جا سکتا ہے کہ ان مجموعوں کے کئی کئی ایڈیشنز شائع ہو چکے ہیں۔ علاوہ ازیں منظومات کے دو انتخاب اور مترجمہ نظموں کا ایک مجموعہ "خورشید در مرداب" بھی شائع ہو کر داد تحسین پا چکے ہیں۔ شاعری کے علاوہ احمد شاملو نے نثر میں بھی طبع آزمائی کی ان کے مختصر افسانوں کے تین مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ شاعری کے علاوہ شاملو کی دیگر اہم کتب میں آہنگ ائی فراموش شدہ، زن پشت در مقری، اور قطعہ نامہ شامل ہیں۔ شاملو کی ادبی زندگی میں دیگر زبانوں سے ترجمہ کیے گئے اٹھارہ ناول بھی شامل ہیں۔ جب کہ بعض قدیم ایرانی شعرا کے دوواین بھی مرتب کر چکے ہیں۔

احمد شاملو کے ہاں ایک مزاحمتی رنگ عیاں ہے۔ وہ ایک ایسے شاعر تھے جو ایران میں انقلاب آنے سے قبل بادشاہت کے خلاف علم و بغاوت بلند کیے ہوئے تھے۔ وہ ایرانی عوام کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑے نظر آتے ہیں۔ جس عہد میں شاملو ایران میں مزاحمتی ادب کے حوالے سے بڑا نام تھا اسی وقت اردو میں فیض احمد فیضؔ، اسرار الحق مجاز، ساحر لدھیانوی اور کیفی اعظمی وغیرہ بڑے نام تھے۔ جیسا کہ افتخار عارف بتاتے ہیں:

"جس وقت پاکستان میں فیض احمد فیض مزاحمتی ادب کے حوالے سے اہم اور بڑے شاعر تھے اسی وقت سرحد کے اس پار ساحر لدھیانوی اور کیفی اعظمی کا نام تھا۔یہی وہ عہد تھا جب ایران میں احمد شاملو اپنے مزاحمتی رنگ کے باعث بڑا نام تھا"۔(۵)

یہ وہ عہد تھا جب احمد شاملو جیسے شعرا اور ادبا کو ایرانی ادب کے اندر ایسے رجحانات کا سامنا تھا جو ادب اور شاعری میں سیاست کے ساتھ ساتھ سماجی رویوں اور عام لوگوں کی نمائندگی سے بالکل مفر تھے۔ ان کی جمالیات ادب فقط قافیے اور اوزان کی حامل تھی۔ اسی دور میں جہاں ایرانی ادب جدت کے راستے پر چل رہا تھا ایسے میں کچھ ایسے شعرا ابھی موجود تھے جو روایت سے روگردانی کرنا بابت گناہ تصور کرتے تھے۔ ان شعرا کے ہاں فقط شاہ کی وفاداری اور قصیدہ گوئی اہم تھی۔ کئی ایسے نام تھے جو شعوری اور لاشعوری ہر دو اعتبار سے حکمرانوں کا دم بھرنے میں مصروف تھے۔ ایسے حالات میں احمد شاملو جیسے شعرا کے لیے اپنی بقا کی جنگ لڑنا لازمی امر تھا۔ ایسے شعرا کلاسیک سے انحراف کرنے والے اور حکمرانوں کے خلاف لکھنے والے ہوں ان کے لیے ہر عہد میں مشکلات رہی ہے۔ہندوستان میں جیسے "انگارے" نے ایک معاشرے کو جنجھوڑنے کا کام کیا اور ترقی پسندی کی خشتِ اول کہلایا۔ اسی طرح ایران میں احمد شاملو کا مجموعہ کلام "ہوائے تازہ" اہمیت کا حامل ہے ۔ ایرانی شاعری میں "ہوائے تازہ" کی وہی اہمیت وافادیت ہے جو اردو ادب میں "انگارے" کی ہے۔ "ہوائے تازہ" کی ایک نظم میں وہ اپنے ایمان اور یقین کی پختگی کی بات کرتا ہے۔

وہ روشنی کی تلاش میں جو سرگرداں ہیں اکثر فارسی کے جدید شعرا کی طرح شاملو کو موت سے کوئی انہاک نہیں وہ موت کو نہ ہی پسند کرتے ہیں اور نہ ہی اس سے خوف زدہ دکھائی دیتے ہیں۔ احمد شاملو موت کا زندگی کا دوسرا چہرا نہیں مانتے ان کے عقیدے کے مطابق موت بس زندگی کا آخر ہے۔ موت ایک ایسا انجام ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔ ان کے نزدیک جسمانی موت سے زیادہ پریشان کن معنوی موت ہے اور یہی موت شاملو کے لیے باعث تشویش ہے۔ جب وہ سوچتے ہیں کہ اپنے ساتھی انسانوں کے لیے ان کی نیک تمنائیں اور پر خلوص مساعی رائیگاں ہو جائیں گی تو یہ خیال ان کے لے دل آزاری کا باعث بنتا ہے۔ باد مخالف کے سامنے اپنے کوششوں کی لاحاصل کا غم احمد شاملو کو پریشان کرتا ہے۔ باد مخالف کے سامنے اپنے کوششوں کی لاحاصل کا غم احمد شاملو کو پریشان کرتا ہے تاہم وہ اپنے عزائم اور حوصلوں کو پست نہیں ہونے دیتے۔ البتہ انسانی اقدار کی موت احمد شاملو کو مجروح کرتی ہے۔

احمد شاملو کی نظموں میں جبر اور ظلم کے خلاف جو مزاحمتی رنگ دکھائی دیتا ہے۔ وہ بہت مضبوط اور طاقت ور ہے ۔ان کے ہاں اپنے معاصرین کے مقابلے میں یہ رجحان زیادہ نمایاں طور پر سامنے آتا ہے عامر حسینی کے مطابق:

"احمد شاملو جبر کے خلاف بہت طاقت ور امیجری کے ساتھ تشکیل پانے والی مزاحمتی شاعری کے ساتھ سامنے آئے۔ ویسے یہ امیجری اور تمثال نگاری احمد شاملو کی ساری شاعری کا جوہر ہے جو ان کو اپنے ہم عصر شاعروں سے ممتاز کرتی ہے۔ ایسے میں شاملو کو ایسے زمانے گنگناناہی جرم ٹھہر گیا"۔(۶)

"جبر" نامی ایک طرح کا احساس ان کی روح میں اتر جاتا ہے۔ وہ خود اس بات کا اعتراف کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ میں ایک طرح کے جبر کا قائل ہو گیا ہوں مگر وہ مذہبی معنی کا جبر نہیں۔

وہ ایک طرح سے اپنے عشق اور سچائی کا کفارہ سمجھتے ہیں کہ انسان کے لیے باوجود اپنی بے گناہی، معصومیت اور نیکی کے کافکائی محکومیت کی وحشت سے مفر نہیں بد نصیبی یہ ہے کہ کوئی راہ گزر بھی نہیں ہے۔ انسان کی اس سے زیادہ شرم ناک توہین کیا ہو سکتی ہے احمد شاملو اس جبر کے خلاف ہیں۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے ان کے کلام میں موت کا ذکر موجود ہے لیکن ان کے ہاں موت کا تصور کچھ الگ ہے جیسا کہ ن۔م راشد رقم طراز ہیں:

"شاملو کی نظموں میں موت کا ذکر بار بار اور مختلف رنگوں میں آتا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ جدید فارسی ہی شاعری میں قدیم فارسی ہی کی طرح شاعروں کی موت سے انہماک خاصا ہے"۔(۷)

احمد شاملو اس حوالے سے اہم شاعر ہیں جن کے ہاں موت کے تصورات غم کی طرح پائے جاتے ہیں۔ فارسی کے جدید شعرا میں غالب کی طرح موت اور غم کو مترادف قرار دے دیا گیا ہے۔ موت نے اس کے لیے اپنی ظاہری واقفیت سے کہیں بڑھ کر وسیع اور بڑا مفہوم پیدا کر لیا ہے جب کہ ان کے ہاں معنوی اور اجتماعی موت زوال کی علامت کے طور پر سامنے آئی ہے۔ احمد شاملو کے ہاں زبان و بیان کے حوالے سے بھی اگر بات کی جائے تو وہ زبان و بیان کی بے پناہ قدرت کے مالک نظر آتے ہیں۔ ان کی نظموں میں اس طرح کی فکر بھی بڑی وسعت کی حامل دکائی دیتی ہے۔ اکثر جگہوں ہر زبان کی ریزہ کاری جو قبل اس کے بھی موجود تھی وسعت کی آخری حد تک پہنچتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ یہی چیز قاری کے لیے خط کی ایک نئی سمت پیدا کرنی ہوئی ملتی ہے۔

شاملو شاعری کو زندگی سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کے مطابق شاعری ہی وہ چیز ہے جس کے سہارے وہ موجود ہیں۔ وہ اپنی شاعری کو اپنی طاقت اور جینے کی وجہ بتاتے ہیں۔ احمد شاملو کہتے ہیں کہ شاعری ہی وہ ہتھیار ہے جس کے سہارے وہ لڑتے ہیں۔ ان کے مطابق شاعر کو موجودہ شاعری کے لبادے میں شاعر لوگوں کے درد اور ان کی امیدوں کو عیاں کرتا ہے۔ ان کے اپسنے اشعار کی اکائی وہ مخلوق خدا کو بتاتے ہیں۔ احمد شاملو کی شاعری میں نیا

یوشیج کے جیسے مکمل طور پر قافیے کی پابندی نظر نہیں آتی۔ وہ شائد فارسی زبان کے اولین شاعر ہیں جن کے یہاں شاعری بھی انحراف کیا ہے جس کی بنا پر جدید شاعری کے بانی نیما یوشیج نے رکھی اور مہدی اخوان ثالث نے جس کو پسند کیا۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود احمد شاملو کے یہاں شعری عناصر بہ کثرت پائے جاتے ہیں۔ شاملو بہت حساس اور پر خلوص لکھنے والے شاعر تھے۔ شاملو کی شاعری میں زبان و بیان کی سلاست اور روانی کے ساتھ ساتھ شگفتگی اور ادبیت کے تمام تر لوازمات بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔ ان کا اسلوب اپنی مخصوص انفرادیت کے باعث جدید فارسی شعرا میں اہمیت کا حامل سمجھا جاتا ہے۔ شاملو کو اپنی تہذیب و ثقافت سے بھی گہری دل چسپی تھی یہی وجہ تھی کہ وہ عملی سیاست میں بھی سرگرم رہے اور اسی فطرت کے باعث ان کی تمام تر ہم دردیاں مظلوم طبقے کے ساتھ رہی ہیں۔

احمد شاملو کی منظومات میں "پریا" "ماہی 'برنگ فرش، دختر مائے نند دریا اور مثنوی شب گیو وغیرہ بحور اور وزن کے معاملے میں مکمل طور پر آزاد ہونے کے باوجود زبان زد خاص وعام ہو چکی ہیں۔ شاملو کی شاعری بہ ظاہر نثر نما ہے اس میں رسمی آہنگ بھی موجود نہیں لیکن ان کی شاعری میں ایک شخصی آہنگ کا نادر شعوری نمونہ بہر طور پایا جاتا ہے۔ گویا یہ آہنگ باطنی ہے جو الفاظ کی نسبت خیالات پر انحصار کرتا ہے۔ شاملو نے اپنے اس منفرد آہنگ سے اپنی منظومات میں ہئیت اور مضمون آفرینی کی آمیزش کے لیے خاطر خواہ کام لیا ہے۔ اسی ہئیت کی وجہ سے اکثر اس شاعر پر ہئیت پرستی کا الزام بھی لگایا جاتا ہے۔ ان پر لگایا جانے والا یہ الزام کسی حد تک یوں بھی درست ہے کہ وہ ہئیت میں کسی تنوع کے قائل نظر نہیں آتے۔ ان کی تمام تر شاعری یکساں طور پر آزاد ہے۔ وہ اپنے کسی نئے مضمون کے لیے کوئی نیا قالب ایجاد کرنے کی بہ جائے اپنے خاص پہلے سے موجود قالب کا ہی سہارا لیتے ہیں۔ شاملو بھی بعض دیگر جدید فارسی شعرا کی مانند فرانسیسی شعرا سے بے حد متاثر نظر آتے ہیں۔ شاملو کی شاعری میں جدید فارسی شعرا نیما یوشیج، فریدون تو للی اور پروفیسر ناتل خانلری کے اثرات بھی دکھائی دیتے ہیں۔ نیما کی طرح شاملو کے اشعار میں بھی نثر سے قریب تر لگتے ہیں مگر ان کی تہوں میں فکر واحساس کی بڑی وسعت پائی جاتی ہے۔ ان کے استعارات، تشبیہات اور رمز و کنایہ سب میں ان کی ندرت خیال کے ساتھ ایک فکر مندی کے تاثرات و حالات کے عناصر بھی موجود ہیں۔ اس حوالے سے ان کی نظم سود ابراہیم در آتش، یعنی آگ میں ابراہیم کا گیت، دیکھیں۔ اس نظم کے تاریخی تناظر پر بات کریں تو ۱۹۵۱ء میں شاہ ایران کی جانب سے مہدی رضائی کو ایران کے مشہور تیر چنگیر چوک میں تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ احمد شاملو قید و بند اور زندگی کی دیگر ناہمواریوں کے بیچ میں بھی امید و آرزو کی شمعوں کو روشن رکھتے ہیں۔ ان کے ہاتھ سے ضبط و تحمل کا دامن کبھی

بھی چھوٹنے نہیں پایا۔ ان کا مجموعہ کلام ہوائے تازہ، ان کی اسی رجا کی ایک خوب صورت دلیل کے طور پر نظر آتا ہے ۔ ان کا حوصلہ اور ان کی ہمت اندھیروں سے جنگ کرنے کے لیے ایک یقین اور اعتما کے ساتھ فتح و نصرت کے لیے آگے بڑھتی ہی چلی جایت ہے ۔ شاملو حزن و یاس کے لمحات کو بھی اپنی شاعری میں ایک نئے انداز کے ساتھ نبھاتے ہیں۔ وہ ناکامی و نامرادی کو اپنے شعری اظہار کی زنجیر بناتے ہیں۔ شاملو ایک ایسے شاعر کے طور پر سامنے آتے ہیں جو اپنے عشق اور سچائی کا کفارہ سمجھتے ہوئے انسان کے لیے ہی سوچتے اور انسان کے لیے ہی بقا کی جنگ لڑتے ہیں

ان کے ایام آخر کے شاعری میں یہ احساس اکثر غالب آجاتا ہے ۔ ایسا لگتا ہے جیسے جینے کے ناہم وار سفر میں وہ بہت تھک سے گئے ہیں زمانے کی ناحق بے حسی اور مردومان ناسپاس کی ناشکری سے وہ دل برداشتہ نظر آتے ہیں۔ چار عاچار وہ خود کو یار یگانہ کے کیف صحبت میں کھو دینا چاہتے ہیں اور اسی میں عافیت جانتے ہیں۔ ایسے یں وہ اپنے ہم دم دیرینہ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اے دوست میرا ہاتھ تھام کہ ہم کہیں اور جا بسیں۔ احمد شاملو کی عشقیہ شاعری بھی ان کی اپنی زندگی کی پہچان میں آہنگ و نظم پیدا کرتی ہے ۔ جہاں ان کی شاعری میں عشقیہ مناظر ہیں وہاں محبت ان کی واحد رہبر کے ت طور پر سامنے آتی ہے احمد شاملو کی عشقیہ شاعری کے حوالے سے ڈاکٹر رضیہ اکبر رقم طراز ہیں:

"احمد شاملو کی عشقیہ شاعری کا سرمایہ بھی بہت وافر ہے اور اس میں بھی اکثر و بیشتر فکری عنصر نمایاں نظر آتا ہے ۔ درد جاناں سے گزر کر عشق کی گہرائی اس کے درد انسانیت کو اور گہرا نا دیتی ہے ۔ ساتھ انسان کے لیے جو صدیوں کے درد فلاح خوگر ہو گیا ہے۔ اس کے رنجو افسوس میں اور زیادہ تاثری پیدا ہو جاتی ہے "۔(۸)

جدید فارسی ادب کے منظر نامے میں جب احمد شاملو کا ظہور ہوا تو اس وقت فارسی شاعری انیس ویں صدی کی حدود سے بہت آگے نکل چکی تھی۔ ۱۹۰۶ء کے انقلاب سے ایرانی سماج میں جو بنیادی تبدیلی آئی تھی مائش وردوں کے نظریات اور خیالات نے جو نئی راہیں اختیار کی تھیں ایران کی سماجی ادبی زندگی پر اس کے اثرات کا دائرہ اب بہت وسیع ہو گیا تھا۔ نیما یوشیج کی تخلیقی ذہانت نے فارسی شعر کی جو نئی طرح قائم کی تھی اس سے فارسی شعر کا رنگ اور اس کا آہنگ ہی بدل گیا۔ شاملو کی شاعری میں ابدیت معنوی زندگی، محبت، انسانی اقدار اور انسانیت سے بھرپور عناصر کو جس انداز میں پیش کیا گیا ہے وہ بلاشبہ خاصبے کی چیزہ۔ ان کی اس نظم کا مطالع قاری کو سوچنے پر ضرور مجبور کرتی ہے کہ ان کی شاعری میں فقط لفظی باری گری یا زباں و بیان نہیں بل کہ ان سے ماوارا ہے۔

اس لیے یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ جدید فارسی شعرا میں نیما کے بعد احمد شاملو نے ہی جدید فارسی شاعری کو مزید بنیادی تبدیلیوں سے آشنا کیا اور آنے والی نوجوان نسل پر نیما سے زیادہ اثر انداز ہوئے۔

یوں تو فارسی میں جدید شاعری کا بانی نیما یوشیج کو تسلیم کیا جاتا ہے تاہم نثری نظم کی صحیح معنوں میں بنیاد احمد شاملو نے ہی رکھی۔ شاملو نے اپنی شاعری کے لیے جو اصول و ضوابط وضع کیے وہ ان کی اپنی تخلیقی اپج کے تابع ہوتے ہیں انھوں نے ایک ہی نظم میں مختلف طرح کے اوزان کا سہارا بھی لیا ہے وہ نظم و نثر کے ملاپ سے فیض یاب ہوئے ہیں۔ لیکن یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ شاملو کی شاعری فکر کے ان کلیوں سے پاک ہے جو دسروں سے اخذ کیے گئے ہوں۔ ان کی نظموں میں وطن پرستی کے احسانات و جذبات کے علاوہ فیض احمد فیض کی طرح قید خانے کے تاثرات بھی موجود ہیں۔ جدید ایرانی شاعری میں جو تبدیلی رونما ہوتی وہ جدید شعری افکار و خیالات کا نتیجہ نہیں بل ک نئے سماجی افکار و خیالات، ایران میں انقلاب اور تبدیلی کے بعد فارسی شاعری میں جدید رجحانات اور تجدید طلبی کا پیش خیمہ ہے۔ یہاں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ کچھ دیگر جدید فارسی شعرا کے جیسے شاملو نے حقائق سے صرف نظر کنے کی بہ جائے ان کا مقابلہ کیا اور ان پر قلم اٹھایا۔

جب ہم احمد شاملو کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ انھوں نے بلاشبہ اپنی شاعرہ کو ایسے اقدار سے روشناس کروایا ہے۔ ہئیت اور اسلوب کے اعتبار سے شاملو کی شاعری منفرد رنگ کی حامل ہے۔ انھوں نے شاعری کو صدائے انسان کا نام دیا ہے۔ ان کی نظر میں شاعری عوام کے لیے اور وہ عوام کے ہر طبقے کے لیے ہے۔ احمد شاملو نے شاعری کو مقصدیت کے تحت برتا ہے۔ وہ شاعری میں بے باکی اور مزاحمتی رنگ کو اپناتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

احمد شاملو نے اپنی شاعری کے ذریعے جدید فارسی شاعری کو ایک نیا آہنگ دینے کی کوشش کی۔ ان کی چند نظموں میں شعری انداز اور فنی شعور کا جو انوکھا پن ملتا ہے وہ انھیں جدید فارسی شاعری کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رکھے گا۔ شاملو کے کلام کی مقبولیت کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ عوام کے شاعر ہیں۔ شاعری میں تمثیلی انداز بیان شاملو کی شاعری میں تمثیلی انداز بیان حقیقت پسندی کا روپ اختیار کرتا ہے۔ ان کے مخاطب عام ایرانی ہیں لیکن جب وہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کا مخاطب ان کی شاعری سے بے اعتنائی برت رہا ہے تو وہ فکر مند ہو جاتے ہیں۔ شاملو چوں کہ شاعری میں تجربات کرنے کے قائل ہیں اس لیے شاعری میں قالب اور مضمون شعر میں ہمیشہ رد و بدل کیا۔ ان کی زندگانی ان کی شاعر میں ہی پنہاں ہے۔ احمد شاملو کے ابتدائی کلام امید اور جوانی کی

سرگرمیاں نظر آتی ہیں لیکن عمر کے ڈھلنے کے ساتھ ساتھ امید و حرکت اور جوانی کی امنگیں بڑھاپے سکون اور اور ناامید کا میں تبدیل ہو کر رہ جاتی ہیں۔

حوالہ جات:

۱۔ محمد ریاض، فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ، سنگ میل پبلشرز، لاہور، س۔ن، ص۱۸

۲۔ راشدن۔م، جدید فارسی شاعری، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ا

۳۔ ایضاً، ص ۱۱۲

۴۔ رضیہ اکبر، ڈاکٹر، ایران میں جدید فارسی ادب کے پچاس سال، حسن پبلشرز، حید آباد، اندھیرا پردیش، اگست ۱۹۹۱ء، ص ۳۰۲

۵۔ راقم کی گفتگو افتخار عارف، سے، بہ تاریخ ۲۶ اپریل ۲۰۱۹ء، بہ مقام ادارہ فروغ اردو، اسلام آباد

۶۔ عامر حسینی، احمد شاملو کی چار نظمیں اور ہمارا سماج، مشمولہ، قلم کار، ۲۳، دسمبر ۲۰۱۷ء

۷۔ ن۔م راشد، جدید فارسی شاعری، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۸۷، ص ۱۴

۸۔ رضیہ اکبر، ڈآکٹر، ایران میں جدید فارسی ادب کے پاس سال، حسن پبلشرز، حیدر آباد، آندھرا پردیش، اگست ۱۹۹۱، ص ۳۰۹